خوف کے سایے

سفینہ بیگم

شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، موبائل: 8532975654

اس اندھیرے اور خوفناک کمرے میں کبھی کسی کے رونے تو کبھی کسی کے ہنسنے کی آواز نے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ بے سر کے جسموں نے خوف کا منظر پیدا کر دیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی سرگوشیوں میں باتیں کر رہا ہو۔ ایک کالے رنگ کا ہاتھ جس کے لال رنگ کے بڑے بڑے ناخن تھے زمین پر یہاں سے وہاں رینگ رہا تھا، کہیں سے گھٹی گھٹی چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اچانک وہ کالا ہاتھ دیوار پر چلنے لگا، کسی کی بہت تیز تیز چلتی ہوئی سانسیں قریب ہی محسوس ہوئیں اور جسم میں چیونٹیاں سی چلنے لگیں۔ وہ کالے رنگ کا ہاتھ پھر دوبارہ زمین پر رینگتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے لال رنگ کے نوکیلے ناخن جیسے کسی کے منتظر ہوں۔

یہ اس کی نوکری کا پہلا دن تھا۔ بہت سارے لمحوں میں تو وہ خود بھی ڈر گیا تھا، لیکن کیا کرتا پیٹ کی آگ بھی تو بجھانا تھی۔ دیر سے بیٹھا ہوا وہ کبھی اپنے داہنے تو کبھی بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو سہلائے جا رہا تھا۔ جیسے کوئی باپ کھیت پر سے لوٹنے والے اپنے تھکے ماندے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اس کی انگلیاں پتلی اور لمبی تھیں جس پر گوشت برائے نام تھا اور کالا رنگ اور لال رنگ کے ناخن لگانے کی وجہ سے بھدی اور ڈراؤنی معلوم ہو رہی تھیں۔ ہاتھوں کی ہڈیاں کافی ابھر گئی تھیں۔ وہ انہیں ایک ٹک دیکھتا گیا۔

یہ ہاتھ ہی تو میری کمائی کا ذریعہ ہے اگر اسے کچھ ہو جاتا ہے تو میں اپنے بوڑھے ماں باپ اور بہن کا پیٹ کیسے پال سکوں گا۔ اس نے ایک نظر اپنے گھر کو دیکھا جس میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور آنگن میں ایک لالٹین ٹمٹما رہی تھی۔ اسے وہ گھر اچانک آسیب کا مسکن محسوس ہونے لگا۔ لالٹین کی لو اس کی آنکھوں میں سما گئی اور وہ خود ایک بھٹکی ہوئی روح کی مانند لگنے لگا۔

’’بیٹا اتنی دیر سے کیا سوچ جا رہا ہے‘‘۔ اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخ کر پیچھے ہٹا۔

’’ک ک کچھ نہیں ۔۔اماں ۔۔‘‘ اس نے پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کے قطروں کو صاف کیا۔

’’کیا ہوا بیٹا... تیری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ یا مالک نے کچھ کہا۔‘‘

’’نہیں... نہیں تو... بس ایسے ہی کچھ خیال آ گیا۔‘‘

’’ابا کہاں ہیں؟‘‘

’’وہ ابھی واپس نہیں آئے ہیں... شاید آج مونگ پھلیاں بکی نہیں‘‘۔ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے کی جھریاں بڑھ گئیں۔ حلقے مزید گہرے ہو گئے ۔ آنکھیں باہر کو نکلیں نمایاں لگنے لگیں۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور تیزی سے نل کی طرف چلا گیا۔

وہ روز الگ الگ حلیہ بنا کر بھوت بنگلہ جاتا اور وہاں ہر طرح کی آوازیں نکال کر اور ہاتھ کی جنبش اور حرکتوں سے آنے والوں میں زیادہ ڈر پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ کبھی ہاتھ کو صرف کالے رنگ سے رنگتا کبھی کئی رنگوں سے ایک ساتھ رنگ لیتا، کبھی زبان کو کالا کر کے اور شکل کو لال کر کے دروازے کے پاس کھڑا ہو جاتا تاکہ آنے والے کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر وہ اپنی کامیابی پر خوش ہو سکے۔

گاؤں میں یہ بھوت بنگلہ سرکس کے میدان کے پاس کھولا گیا تھا۔ اسے کھلے ہوئے ابھی کچھ ہی دن گزر رہے تھے کہ بچوں اور جوانوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ روز دس سے بارہ لوگ بھوت بنگلہ کا مزہ لینے آتے جو ڈرتے تو تھے ہی، لیکن لطف اندوز بھی خوب ہوتے تھے اور وہ اپنے گاہکوں کو نئے ڈر سے آشنا کروانے کے لئے نت نئی تراکیب کرتا رہتا۔ مہینے کی پہلی تاریخ کو جب اس کے مالک نے پانچ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا تو وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب آدمی سمجھنے لگا اور اپنی محنت پر فخر محسوس کرتا ہوا گھر آ گیا۔

’’ابا!...... یہ میری محنت کی پہلی کمائی۔‘‘ اس نے ابا کے ہاتھ پر پیسے رکھ دیے اور ان کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگا۔ ابا کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کھلے، لیکن کپکپاہٹ کی وجہ سے وہ کچھ بول نہ سکے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس نے ابا کے چہرے پر خوشی اور آنسو کے ملے جلے تاثرات دیکھے تو اس کو اپنے اطراف روشنی ہی روشنی محسوس ہوئی اور وہ اپنے کام کو مزید بہتر بنانے کے لیے منصوبہ بندی کرنے لگا۔ وہ رنگوں کی کئی پڑیاں لے کر آیا اور اس کو پانی میں گھول کر بھوت بنگلہ کی دیواروں کو زیادہ ہیبت ناک بنانے کی کوشش میں جٹ گیا۔ جگہ جگہ لال رنگ کا چھڑکاؤ خون سے مشابہ ہوتا۔ الگ الگ رنگوں کے قلم سے اس نے کٹا ہوا سر، ہاتھ اور پیر بنائے اور ہر ایک کٹے ہوئے عضو کے پاس اس نے لال، کالا اور پیلے رنگ کا چھوٹا بلب لگا دیا جس سے وہ تصویریں اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگیں۔ اس نے جھاڑ پھونس کو ایک بڑے سے سفید کپڑے میں بھر کر اس کو گیند نما شکل دے دی اور اس پر کالے رنگ سے آنکھ، ناک، کان اور بال بنا دیے جس سے وہ کٹا ہوا سر معلوم ہونے لگا۔ اس کے مالک نے اس کی محنت کو خوب سراہا اور وہ آئندہ دنوں میں زیادہ اچھی کمائی کی امید لئے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کو اپنا گھر آسیب کا مسکن نہیں بلکہ زندوں کا مسکن لگنے لگا جہاں وہ اپنے اماں، ابا اور بہن کو مسکراتا ہوا اور پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا۔ خوشیوں سے بھرا ان کا چہرہ اور روشن آنکھیں اس میں زیادہ ہمت و استحکام پیدا کرتیں اور وہ جوش و ولولہ کے ساتھ روز صبح کام کی طرف بڑھ جاتا۔

جوتے اب اس کے پیروں میں پھنسنے لگے تھے۔ اب وہ ابا کے پرانے جوتے پہن کر کام پر جاتا، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد بھوت بنگلہ پر کم ہونے لگی اور وہ ہر وقت بھوت بنگلہ کو بہتر بنانے کے متعلق سوچا کرتا۔

”کیا بات ہے صابر، تم اتنے خاموش کیوں بیٹھے ہو..... کیا سوچ رہے ہو۔“

”بس مالک یہی سوچ رہا تھا کہ لوگ اب کم آتے ہیں..... ایسے چلے گا تو..... ہم نے بہت محنت سے بھوت بنگلہ کو سجایا ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن لوگ یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتے ہیں۔ نئی نئی چیزیں ہر ایک کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ تم چاہو تو اور کچھ تبدیلیاں لا سکتے ہو، لیکن ہاں..... کیونکہ گاہک اب کم آ رہے ہیں اس لیے میں اور زیادہ پیسہ خرچ نہیں کر سکتا اور تم تو جانتے ہو کہ میں نے اس پر پہلے ہی بہت پیسہ خرچ کر دیا ہے۔ اب تم پر ہے کہ تم اس میں اور کتنی محنت کر پاتے ہو۔“

وہ گھر آ کر مسلسل کچھ نیا کرنے کے متعلق سوچتا رہا اور اپنے ہاتھوں، پیروں اور جسم کو چھو چھو کر دیکھتا رہا۔ آخر ایسا کیا کیا جائے جس سے لوگ اتنی تعداد میں آنا شروع ہو جائیں جتنا پہلے آیا کرتے تھے۔ اس نے اپنا کرتا اتارا پھر پتلون اتاری اور آگے پیچھے سے خود کو ہر زاویہ سے دیکھتا رہا۔ پھر جب کوئی بات بنتی نظر نہ آئی تو کپڑے پہن کر پلنگ پر آ بیٹھا اور اپنے ہاتھوں کا معائنہ کرنے لگا۔ لوگ سب سے زیادہ اسی ہاتھ سے ڈرتے ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور اسے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس میں ایک اور انگوٹھے کا اضافہ کر لوں اور چھوٹی والی انگلی کے پاس ایک اور چھوٹی انگلی لگا لوں تو ہو سکتا ہے بات بن جائے۔

وہ رات کو ماں کے بکس میں پڑے، گودڑ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو تلاش کرتا رہا۔ لالٹین کی روشنی میں اس نے بمشکل ان ٹکڑوں کو جوڑ کر پتلی سی انگلی اور انگوٹھے کی شکل دے دی ایسا کرنے میں کئی دفعہ سوئی اس کے ہاتھ میں چبھی، لیکن گھر چلانے اور پیسہ کمانے کی فکر نے اس کے ذہن کو اپنی گرفت میں لئے رکھا اور وہ ایک نیا تجربہ کرنے کی خوشی میں صبح کا انتظار کرنے لگا۔

صبح وہ جلدی سے تیار ہوا۔ مصنوعی انگوٹھے اور انگلی کو ایک کپڑے کے ٹکڑے کی مدد سے ہاتھ پر باندھ لیا اور اس پر مصنوعی ناخن چپکا کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جیسے ہی وہ پہنچا کچھ لوگ ٹکٹ لینے کے لیے لائن میں کھڑے ہوئے تھے وہ پیچھے کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور داخلی دروازے کی جانب لکڑی کی دیوار کے نیچے الٹا ہو کر لیٹ گیا تاکہ ہاتھ کی کرامت سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کر سکے۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اس نے فوراً دیوار کے نیچے سے اپنی انگلیوں کو لہراتے ہوئے آنے والے کی جانب بڑھایا۔ لڑکی تیزی سے چیخ مار کر پیچھے ہٹی، لیکن لڑکے نے غور سے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کچھ دنوں تک لوگ آتے رہے، لیکن پھر تعداد اتنی کم ہو گئی کہ کئی کئی دن وہ خالی بیٹھا اپنی ساتوں انگلیوں کو تکتا رہتا۔

”صابر..... لگ رہا ہے تم زیادہ محنت نہیں کر پا رہے ہو..... یا تمہاری دلچسپی ختم ہو رہی ہے۔۔ اگر ایسا ہی رہا تو بھئی پھر مجھے کچھ سوچنا پڑے گا۔“ مالک نے بیزاری سے کہا۔

”نہیں مالک..... میں تو نئی نئی تراکیب لگاتا ہوں..... لیکن شاید اب.....“

”دیکھو صابر..... یہ دنیا بڑی عجیب ہے۔ تم جھوٹ کو جتنا زیادہ سچ بنا کر دکھاؤ گے یہاں کے لوگ اتنے ہی متاثر ہوں گے اور اس چیز پر اپنا پیسہ بھی خرچ کریں گے، بس جھوٹ کو سچ بنا کر دکھانے کا ہنر ہونا چاہئے اور

حوصلہ بھی۔ تمہارا جھوٹ، جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے خریدار بھی.....، اور یاد رکھنا اکثر جھوٹ ہی بکتا ہے۔ ورنہ سچ کے سکوں سے تو جھونپڑیاں بھی روشن نہیں ہوتیں۔''

مالک کے الفاظ بہت دیر تک اس کے کانوں میں گونجتے رہے بار بار انہی الفاظ اور جملوں کی بازگشت سے تنگ آکر وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگا۔ اس کے چہرے پر بے بسی اور مجبوری کے آثار نمودار ہونے لگے اور وہ تھکے ہوئے قدموں سے گھر لوٹ گیا۔

گھر میں گھستے ہی امید کی نگاہ سے اس کے باپ نے اس کی طرف دیکھا، لیکن وہ نظریں جھکائے نل کی جانب ہاتھ دھونے چلا گیا۔ آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا جب گھر میں کسی نے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا تھا اسے دوبارہ اپنا گھر آسیب کا مسکن لگنے لگا جہاں خوف کے سایے اپنے پر پھیلائے بیٹھے ہوں۔ آج اسے لالٹین کی مدھم لو بجھتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے بار بار آنکھیں پھیلا کر اسے ٹھیک کرنا چاہا، لیکن وہ دھندلی ہونے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی چلی گئی۔ اس نے تیزی سے اپنے سر کو دونوں مٹھیوں میں جکڑ لیا جیسے ابھی اس کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اچانک اس کی نظر چولہے کے پاس پڑے ہوئے کوئلے کے ٹکڑوں پر پڑی۔ اس نے جھٹکے سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور زمین پر مختلف طرح کے نقش و نگار اور عجیب و غریب شکلیں بنانے لگا یہاں تک کہ اس نے آنگن کی پوری زمین کالی کر دی جس میں اس نے اپنے ہاتھوں کو بری طرح زخمی کر لیا اس کا داہنا ہاتھ جو لوگوں میں ڈر اور خوف پیدا کرتا تھا خون سے لت پت تھا وہ اسی حالت میں اٹھا اور اپنے ابا، اماں اور بہن کے پلنگ کے قریب گیا۔ بہت غور سے باری باری ان کے چہروں کو دیکھا۔ ابا کے چہرے کی ہڈیاں پہلے سے زیادہ ابھری ہوئی لگیں۔ گال پچک کر جبڑوں سے لگے ہوئے محسوس ہوئے۔ صابر کو ابا پر ایک مردہ شخص کا گمان ہونے لگا اس نے اندھیرے گھر کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ ابھی بہت سی بدروحیں نکل کر اس کو چمٹ جائیں گی، اس کو اپنے اطراف کی چیزیں خود بہ خود ہلتی ہوئی محسوس ہوئیں اور وہ تقریباً بھاگتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

کئی ہفتوں تک اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اڑتی اڑتی یہ خبر سننے کو ملی کہ قریبی شہر کے کسی بھوت بنگلہ میں خوفناک حلیہ، جس کے بال اور داڑھی بڑھی ہوئی منھ پر رنگ ملا ہوا، جو کبھی ہنستا ہے تو کبھی رونے لگتا ہے، عجیب و غریب حرکتوں والا ایک ایسا شخص ہے جس کے متعلق لوگوں کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ وہ سچ مچ کا آدمی ہے یا اس کا حلیہ فرضی ہے اور لوگ اس کو دیکھنے کے لیے امڈے چلے آتے ہیں۔

◆◆◆

قلمکاروں سے گزارش

- ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک و ای۔ میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے/کہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔ میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ